تشدد اور تحمل کی وضاحت معنوی: فلسفہ عدم تشدد کا تنقیدی جائزہ

The Semantic Explanation of Violence and Tolerance: A Critical Review of the Philosophy of Nonviolence

Anwar ul Haq
Ph.D. Scholar, Dept. of Islamic Learning, University of Karachi:
anwarulhaqabbasi304@yahoo.com

Dr. M. Arif Khan Saqi
Associate Professor, Dept. of Islamic Learning, University of Karachi:
maksaqi@uok.edu.pk

Abstract:

The greatest strength of man is non-violence. A man's real strength can be measured by his patience. A person with the ability to face adversity and suffering always emerges with great strength in the world. Non-Violence is man's greatest is the best path. One who works patiently can never be defeated. If there is sincerity in Tolerance and non-violence, the human spirit gains transparency. A man of moderate temperament is endowed with creative spirit. On the contrary, intolerance kills human creativity. And violence destroys the forces of belief and satisfaction. This is the reason why people are getting involved in big crimes. People do not hesitate to kill each other over trivial matters. Many people even end their lives due to intolerance. Forbearance and patience create new hopes. The destiny of human society is changed only by the power of hope and belief. Non-violence opens new avenues of social progress and tolerance. At this time, the most Pakistani society needs tolerance. Patience is the guarantee of our peace and social progress. And this article examines non-violence and tolerance and tells what is the importance of non-violence and how much society needs such tolerance and then later examines the synonyms and antonyms. And what is the difference between violence, resistance and non-violence and non-resistance? And references to Arabic and English dictionaries and books are provided to explain this difference.

Keywords: *Non-Violence, Tolerance, Philosophy of Non-Violence, Non-Resistance.*

تعارف:

جب انسانوں کے تعلق کے درمیان سے محبت نکل جائے تو محبت کی جگہ "طاقت" لے لیتی ہے۔ اور پھر طاقت محبت کی طرح جامع حقیقت تو نہیں، مگر وہ محبت کی طرح جامع ہونے کا "تماشا" کر سکتی ہے۔ معاصر

دنیا میں اس وقت یہی ہو رہا ہے۔ طاقت انفرادی زندگی سے اجتماعی زندگی تک، اور قومی زندگی سے بین الاقوامی زندگی تک ہر دائرے میں مرکزیت کی حامل ہو گئی ہے۔ جیسا کہ ہمارے تعلقات طاقت کے تعلقات ہیں، ہمارے دلائل طاقت کے دلائل ہیں، ہمارا نظام طاقت کا نظام ہے۔ اور ہم طاقت کے پوجاری لوگ ہیں۔ لیکن اسلامی تعلیمات نے ایسے کسی بھی عمل کو فساد فی الارض کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے اور برا عمل ہی بتایا ہے۔ تاہم پھر بھی دنیا انسان نے بہت سے انسانوں کو حیوانوں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان سے ان کی روحانیت، ان کی انسانیت، ان کی تعلیم و تربیت، ان کی سیاست، ان کی معیشت اور ان کی سماجیات چھین لی گئی ہے۔ ہر مذہب میں چھوٹے سے چھوٹی مخلوق کو مارنا گناہ قرار دیا ہے، مگر میانمر، فلسطین، شام، عراق، افغانستان اور کشمیر میں ہزاروں مسلمانوں کو مار ڈالا اور کوئی احساسِ گناہ محسوس نہ کیا۔ اور اسی طرح دنیا کے منظر نامے کو دیکھا جائے تو دنیا میں جنگیں برپا ہیں۔ معاشی جنگوں نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، ابلاغی جنگوں نے دنیا کا حشر نشر کر دیا ہے۔ تاہم دنیا میں تعصبات کے معرکے بھی جاری ہیں۔ غور کیا جائے تو یہ سب تشدد ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کہیں جسمانی تشدد کی حکمرانی ہے، کہیں نفسیاتی، جذباتی، ذہنی اور لسانی تشدد کا غلبہ ہے۔ اور اسی طرح سطور ذیل میں ہم حسب عنوان مندرجہ بالا بنیادی اصطلاحات یعنی تشدد، عدم تشدد، مزاحمت وعدم مزاحمت، اور تحمل پر قدر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔ کیوں کہ یہ وہ اہم سنگ میل ہیں جن کو سمجھے بغیر فلسفہ عدم تشدد کا حقیقی فہم وادراک حاصل نہیں ہو گا۔

تشدد کا مفہوم:

تشدّد عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور اِس کو مؤرّد بنا لیا گیا ہے۔ اِس کی اصل پر نگاہ ڈالی جائے تو عربی میں ہوتے ہوئے مجرد میں یہ کلمہ ضَرَبَ یَضْرِبُ اور نَصَرَ یَنْصُرُ دونوں ابواب سے آتا ہے۔ اور مضاعف ہونے کے سبب سے اِس کے اخیر کے دو حروف یعنی دال ایک دوسرے میں مُدغَم ہو جاتے ہیں۔ اِس طرح اِس کی صورت یہ ہوتی ہے: شَدَّ یَشُدُّ، اِس سہ حرفی کلمہ کے مصادر تین ہیں: شَدًّا، شَدَّةً اور شِدَّةً۔ اِس کے علاوہ اَلْاَشَدُّ اور اَلْاَشُدُّ بھی اِسی کلمہ سے مستعمل ہیں۔ عربی کتب کے حوالے کے مزید آگے آئیں گے اس سے پہلے مقالہ نگار مغربی مفکرین کی آراء کی روشنی میں تشدد کے بارے مختلف مفکرین کی مختلف تعریفیں پیش کرتا ہے۔ تاہم تشدد کے معنیٰ و مفہوم مغربی مفکرین کی آراء میں کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ جیسا کہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) نے لکھا ہے:

''The intentional use of physical power or force, threatened or actual, against oneself, another person, or a group or community, is more likely to result in

injury, death, psychological harm, maldevelopment, or deprivation.[1]''

''کسی بھی طرح کا دانستہ جسمانی عمل یا جان بوجھ کر طاقت کا استعمال، حقیقی یا دھمکی آمیز، اپنے یا کسی دوسرے شخص، یا کسی گروہ یا برادری کے خلاف، جسکے نتیجے میں یا تو زخم، موت، نفسیاتی نقصان، خرابی (غلط کام کو فروغ ملے)، ذہنی دباؤ محسوس ہو، تشدد ہو گا''۔

اس کی ایک اور تعریف D.Johan Galtung نے بھی پیش کی ہے لکھتے ہیں:

''تشدد کو بنیادی انسانی ضروریات کی کسی قابل گریز توہین کے طور پر دیکھتا ہوں کیوں کہ عام طور پر کسی بھی قسم کی جذباتی انداز میں کسی کو نقصان پہچانا یعنی ایسا نقصان جو درد و تکلیف کے قابل ہو اور فلاح و بہبود کے راستے میں حائل ہو یا رکاوٹ پیدا کرتا ہو، ضروریات زندگی کی حقیقی سطح کو تسکین کو ختم کرتا ہو، تشدد کہلائے گا''۔[2]

سادہ اور عام لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی کو فطرت کے خلاف ضرر یا زیاں ہو تشدد کہلائے گا۔ جیسا کہ قرآن کریم ارشاد باری ہے:

''فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَالنَّاسَ عَلَيْهَالَاتَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَالنَّاسِ لَايَعْلَمُونَ''۔[3]

''اللہ کی بنائی ہوئی اُس فطرت پر قائم رہو جس پر اُس نے تمام لوگوں کو تخلیق کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کردہ اشیاء میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی، یہی بالکل سیدھا راستہ ہے، لیکن اکثر لوگ علم نہیں''۔

ان تعریفات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ پر تشدد حالات نہ صرف انسانوں کو بلکہ زمین پر موجود بہت سی زندگیوں کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ اور اسی طرح تشدد کو ماحول ایک طویل عرصے تک معاشرہ کو متاثر کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرہ میں تباہی ہوتی ہے۔ انسان کے ساتھ ایک خاص ماحول میں رہنے والی دیگر مخلوقات کے پھلنے پھولنے کی صلاحیت میں کمی واقع ہوتی ہے۔[4]

---

[1]Embracing the Statutes of the United States of a General and Permanent Nature in Force,with an Appendix Covering Acts June 14 to July 16, 1918". Making of Modern Law: Primary Sources, 1763–1970: 1716.

[2]D.Johan Galtung, the Father of Peace Studies.In J.Galtung & D. Fischer (Eds.), Johan Galtung: Pioneer of Peace Research. New York:Springer. (2013.Vol. 5). P.35

[3]۔الروم:30

Al-Room:30

[4]Joseph A. Taintern , The Collapse of Complex Societies, Campbridge University press, 1990,P 167

تشدّد، کی حقیقی اساس کیا ہے؟ ایک انسان، اعلیٰ و ارفع انسانی اقدار کو نظر انداز کرتے ہوئے کیوں اِس راستے پر چل پڑتا ہے؟ جبکہ عدمِ تشدّد، کی راہ پر چلنے کے لیے انسانیت کے بنیادی اصولوں پر سختی سے کاربند رہنے کے لیے ایک آدمی کو کس طرح کی معاونت درکار ہو گی؟ یہ بنیادی نوعیّت کے وہ سوالات ہیں جن کے درست جوابات پر ہی تشدّد اور عدمِ تشدّد کا حقیقی فہم بھی موقوف ہے۔ عالمی دانش کے نمائندگان کے بیانات بہت دلدوز ہیں۔ مثلاً مشہور فلسفی اور قرآنی فلسفہ کے بانی پروفیسر ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں:

مفادات کی بنا پر گروہ در گروہ بٹی ہوئی انسانیّت کرب و اضطراب میں مبتلا ہے۔ بعض زیادہ منظم اور بہتر مادّی مسائل رکھنے والے گروہ ہیں جن کے عزائم کہنے کو انسان دوستی کے ہیں لیکن اُن کا طریق کار شاہد ہے کہ اپنے آپ کو استحصال کی خاطر اور زیادہ قوی کرنے کے لیے ہر تدبیر اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ ایسے احوال پیدا کر چکے ہیں کہ معاشی اعتبار سے کمزور اقوام کے لیے یہ فیصلہ کرنا ایک ابتلاء بن چکا ہے کہ ہم غیر جانبدار رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور نہیں رہ سکتے تو کون سے طاقتور نظام سے اپنے آپ کو وابستہ کریں؟ دشمنی اور تخریب پر مائل تنظیمات اپنے مفاد کی ہوسناکی کے تحت اپنے دشمنوں اور دوستوں کو جب تک قوّت سے زیر کرنا مناسب سمجھتی ہیں اُس وقت تک وہ کمزور اقوام کو اعصابی جنگ کے ذریعے زیر کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتیں۔[5]

یعنی تشدد ایک وسیع اصطلاح ہے جس میں مختلف قسم کے رویے یا اعمال شامل ہیں جن میں جسمانی طاقت، جبر، یا جارحیت کا استعمال نقصان، چوٹ، یا تباہی کی نیت سے شامل ہوتی ہے۔ یہ اکثر افراد یا گروہوں کی جسمانی، نفسیاتی، یا جذباتی سالمیت کی خلاف ورزی سے نمایاں ہوتا ہے۔ اور اس کی مختلف شکلیں ہیں یعنی جسمانی تشدد (جیسے حملہ، مارنا، یا جسمانی نقصان پہنچانا)، جنسی تشدد (جیسے عصمت دری یا جنسی حملہ)، نفسیاتی یا جذباتی تشدد (جیسے زبانی بدسلوکی، دھمکیاں، یا ہیرا پھیری)، اور ساختی تشدد (جیسے نظامی امتیاز، سماجی عدم مساوات، یا جابرانہ نظام)۔ اکثر طاقت کے عدم توازن کے تناظر میں ہوتا ہے، جہاں مجرم دوسروں پر کنٹرول یا غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عام طور پر افراد کے حقوق، وقار، یا فلاح و بہبود کی خلاف ورزی کرتا ہے، انہیں ان کی خود مختاری، حفاظت، یا تحفظ کے احساس سے محروم کرتا ہے۔ اور اس کے مختلف حرکیات ہیں۔

تشدد کی متعدد اقسام ہیں جنہیں مختلف عوامل اور سیاق و سباق کی بنیاد پر درجہ بندی کی جا سکتا ہے۔ ذیل میں تشدد کی چند

---

[5]۔ڈاکٹر فاروقی، برہان احمد، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، علم و عرفان پبلشرز، 1999ء، لاہور، ص: 83

Dr. Farooqui, Burhan Ahmad, Quran k Zinddan Masail, Ilm and Irfan Publishers, 1999, Lahore, p: 83

عام اقسام ہیں:

جسمانی تشدد:

اس قسم کے تشدد میں جسمانی طاقت کا استعمال شامل ہے، جس سے کسی فرد کو جسمانی نقصان یا چوٹ پہنچتی ہے۔ اس میں مارنا، گھونسنا، لات مارنا، تھپڑ مارنا، یا کسی بھی قسم کی جسمانی جارحیت جیسی حرکتیں شامل ہیں۔

جنسی تشدد:

جنسی تشدد سے مراد کوئی بھی غیر متفقہ جنسی فعل یا رویہ ہے جو کسی فرد پر کیا جاتا ہے، بشمول عصمت دری، جنسی حملہ، ہراساں کرنا، یا کسی بھی طرح کا ناپسندیدہ جنسی رابطہ یا جبر۔

گھریلو تشدد:

گھریلو تشدد مباشرت تعلقات یا گھرانوں میں ہوتا ہے، جس میں جسمانی، جنسی، جذباتی، یا معاشی بدسلوکی شامل ہوتی ہے۔ یہ میاں بیوی، شراکت داروں، بچوں اور خاندان کے دیگر افراد کو متاثر کر سکتا ہے۔

نفسیاتی یا جذباتی تشدد:

نفسیاتی تشدد میں ایسے رویے یا اعمال شامل ہوتے ہیں جن کا مقصد کسی فرد کو دھمکیوں، زبانی بدسلوکی، تذلیل، یا جذباتی ہیرا پھیری کے ذریعے، ڈرانا، یا کنٹرول کرنا ہوتا ہے۔

زبانی تشدد:

زبانی تشدد میں بدسلوکی یا جارحانہ زبان کا استعمال، توہین، دھمکیاں، یا تضحیک آمیز رویے شامل ہیں جن کا مقصد کسی کو نقصان پہنچانا، دھمکانا زبانی تشدد ہے۔

سماجی، سیاسی و اقتصادی تشدد:

سماجی، سیاسی یا اقتصادی نظام میں سرایت شدہ تشدد کی شکلوں سے مراد ہے۔ غیر مساوی طاقت کی حرکیات، امتیازی سلوک، سماجی اخراج، اور منظم نقصانات کی خصوصیت ہے جس کے نتیجے میں بعض گروہوں یا افراد کو نقصان اور تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں غربت، وسائل تک غیر مساوی رسائی، اور سماجی ناانصافیاں شامل ہیں جن کے نتیجے میں پسماندہ گروہوں کو جسمانی یا نفسیاتی نقصان پہنچتا ہے۔ یا یہ کہ غنڈہ گردی کو تشدد کے طور پر ظاہر کرنا ہے۔ اور اسی طرح اقتصادی تشدد جو کہ معاش کا عدم مساوات، استحصال یا غیر منصفانہ نظام کا نام ہے۔

ثقافتی تشدد:

ثقافتی تشدد سے مراد تشدد کی وہ شکل ہے جن کی جڑیں عقائد، اصولوں یا طریقوں پر استوار ہیں۔ اس میں ایسی کارروائیاں شامل ہیں جو امتیازی سلوک، دقیانوسی تصورات، یا نقصان دہ روایات کو برقرار رکھتی ہیں، اور اسی طرح زبان، اصول یا سماجی ڈھانچے کے ذریعے دوسروں پر طاقت اور کنٹرول حاصل کرتی ہیں۔ یہ بعض افراد یا گروہوں کے پسماندگی، اخراج، یا انحطاط کے شکار کی وجہ سے ہوتا ہے۔

فرقہ وارانہ تشدد:

فرقہ وارانہ تشدد سے مراد مختلف مذہبی، نسلی، یا فرقہ وارانہ گروہوں کے درمیان تنازعات کا نام ہے۔ یہ اکثر تعصبات یا دشمنیوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر نقصان، تباہی ہو سکتی ہے۔

نسل کشی:

نسل کشی سے مراد کسی خاص نسل، مذہب، یا قومی گروہ کا جان بوجھ کر اور منظم طریقے سے خاتمہ کرنا ہے۔

ماحولیاتی تشدد:

ماحولیاتی تشدد سے مراد ماحول اور ماحولیاتی نظام کو پہنچنے والے نقصانات ہیں جو انسانی بہبود کو متاثر کر سکتی ہیں۔ اس میں آلودگی، جنگلات کی کٹائی، رہائش گاہ کی تباہی، یا انسانی اعمال کی وجہ سے ماحولیاتی انحطاط جیسی سرگرمیاں شامل ہیں۔
مذکورہ بالا تشدد کی اقسام ہیں جو انسان پر کسی بھی انداز سے اثر پیدا کرتی ہیں۔ اس کے بعد عدم تشدد کے مفہوم

عدم تشدد کا مفہوم

باب تفعّل کا مصدر تَشَدُّد ہے۔ باب افعال کی خاصیات پر توجہ کی جائے تو ایک اِس باب کی ایک خاصیّت "اِتّخاذ، یعنی پوری طاقت و قوت اور سختی سے پکڑ لینا، بھی ہے۔ صاحبِ فصولِ اکبری لکھتے ہیں:

اِتّخاذ، یعنی: ساختن یا گرفتن ماخذ۔ یا چیزے را ماخذ ساختن یا در ماخذ گرفتن۔[6]

ترجمہ: اِتّخاذ، یعنی: ماخذ بنانا یا پکڑنا یا کسی چیز کو ماخذ بنانا یا ماخذ کی پکڑ میں لے لینا۔

اِس خاصیّت کا نتیجہ یہ ہے کہ شدت سے جب باب تفعل میں اکر کلمہ تشدّد بنے گا تو شدّت پسندی کو خود پر حاوی و طاری کر لینے کا معنی ادا کرے گا۔ بایں معنی تشدّد کرنے والے کی ذہنی کیفیت، شدّت کو خود پر کچھ اِس طور

---

[6]۔ اِلٰہ آبادی، علی اکبر بن علی، متوفی: 1009 ہجری، مجموعہ رسالۂ لامیہ و فصولِ اکبری، فاروقی کتب خانہ، ملتان، ص: 39

Illah Abadi, Ali Akbar bin Ali, Collection of Lamia and Fasul-e- Akbari, Farooqi Kutab khana, Multan, p: 39

حاوی و طاری کر لیا کرتی ہے کہ جس کے اثرات و نشانات کا متاثرہ فرد پر ظہور ہوتا ہے۔ مثلاً جسمانی یا ذہنی تشدّد وغیرہ۔ اب اس تشدد کے شروع میں لفظ عدم کی شکل میں سابقہ لگا دیا جائے تو متذکرہ بالا تشدد پسندانہ ذہنی کیفیت کی نفی اور معدومیّت کا معنیٰ پیدا ہو جاتا ہے۔

یعنی کہ عدم تشدد، جسے عدم مزاحمت کی کارروائی بھی کہا جاتا ہے، ایک فلسفہ، حکمت عملی پر مبنی عمل ہے جو سماجی، سیاسی، یا نظریاتی تبدیلی کی تلاش میں جسمانی طاقت، جارحیت، یا تشدد کے استعمال کو مسترد کرتا ہے۔ یہ تبدیلی، انصاف اور تنازعات کے حل کے لیے پرامن ذرائع کی طاقت پر یقین پر مبنی ہے۔ انگریزی زبان میں عدم تشدد کے لئے Non Violence کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس پر مغربی مفکرین نے اس کے معنیٰ و مفہوم کو واضح کرنے کی ممکنہ حد تک کوشش کی ہے۔ تاہم عدم تشدد کی جامع تعریف مغربی مفکرین نہیں کر سکے جیسا کہ کنگ مارٹن لوتھر نے لکھا ہے:

“non violence is a courageous confrontation of evil by the power of love” [7]

"عدم تشدد محبت کی طاقت سے برائی کا ایک دلیرانہ مقابلہ ہے"

آکسفورڈ ڈکشنری میں عدم تشدد کی تعریف کا درج ذیل الفاظ کے ساتھ واضح کیا گیا ہے:

‘‘Non violence a situation in which someone avoids fighting or using physical force, especially when trying to make political change’’[8]

”یعنی عدم تشدد ایک ایسی صورت حال جس میں کوئی لڑنے یا جسمانی طاقت کے استعمال سے گریز کرتا ہے، خاص طور پر جب سیاسی تبدیلی لانے کی کوشش کر رہا ہو۔“

اسی طرح مریم ویبسٹر نے بھی اس کے بارے میں لکھا ہے:

Non-violent demonstrations aimed at achieving political ends[9]

”سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے غیر متشدد مظاہرہ کرنا“

اقوام متحدہ کی ویب سائٹ پر عدم تشدد (Non_Violence) تعریف درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

"Nonviolent action is a technique by which people who reject passivity and submission, and who see struggle as essential, can wage their conflict without violence. Nonviolent action is not an attempt to avoid or ignore

[7] https://kinginstitute.stanford.edu/encyclopedia/nonviolence. Access 12 july 2023

[8] https://www.oxfordlearnersdictionaries.com/definition/english/non-violence. Access 12 july 2023

[9] https://www.merriam-webster.com/dictionary/nonviolence. Access 12 july 2023

conflict. It is one response to the problem of how to act effectively in politics, especially how to wield powers effectively".[10]

"عدم تشدد کی کارروائی ایک ایسی تکنیک ہے جس کے ذریعے وہ لوگ جو غیر فعالیت اور خود سپردگی کو مسترد کرتے ہیں، اور جو جدوجہد کو ضروری سمجھتے ہیں، وہ بغیر کسی تشدد کے اپنا تنازعہ حل کروانے کی ممکنہ کوشش کرتے ہیں۔ عدم تشدد کا مطلب تنازعات سے بچنے یا نظر انداز کرنے کی کوشش نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس مسئلے کا ایک رد عمل ہے کہ کس طرح سیاست میں مؤثر طریقے سے کام کرنا، خاص طور پر طاقت کو مؤثر طریقے سے چلا کر اسے کامیاب کرنا ہے۔"۔

اب چوں کہ ایک لفظ جو عدم تشدد کے مترادف معنیٰ دیتا ہے اور اس میں بھی مخالفت کو زیر کرنا مقصود ہوتا ہے یا پھر اسے احساس دلانا کہ واقع میں ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافی یا کسی بھی انداز سے ان کی حق تلف ہو رہی ہے، تو اس صورت میں بھی اپنا حق لینے کے لئے مزاحمت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یا پھر مزاحمت کی جاتی ہے۔ مزاحمت میں بھی بسا اوقات تشدد کا عنصر پایا جاتا ہے لہذا ضروری ہے کہ تشدد، مزاحمت اور عدم تشدد اور عدم مزاحمت میں فرق کیا جائے۔

زحمت و مزاحمت کا معنیٰ

زحمت، رحمت کی ضد ہے۔ اَلزَّحْمَۃ، عربی میں "تنگی" کو کہتے ہیں۔ گویا ہر چیز جو تنگی لائے اور گھٹن پیدا کرے اور رہنا و جینا دشوار و دوبھر کر دے وہ عربی میں زحمت کہلاتی ہے۔ اِسی طرح ہر وہ شے یا عمل جس کے نتیجے میں زندگی میں راحت و آسانی پیدا ہو، زمین ہموار اور ماحول ساز گار معلوم ہوتا ہو اور جہاں جی لگے وہ سب رحمت ہے۔ یہ کلمہ عربی میں باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے آتا ہے۔ یعنی: زَحَمَ یَزْحَمُ، اور اِس کا عربی میں عمومی معنی ہے: بھیڑ کر دینا یا جگہ اور ماحول میں تنگی پیدا کر دینا۔ بھیڑ کے عالم میں اپنی خواہش و مرضی کے مطابق نقل و حرکت دشوار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آنے، جانے، چلنے، پھرنے یا اُٹھنے اور بیٹھنے کے عمل میں مشکلات ہوتی ہیں۔ بندہ چاہے بھی تو اپنی مرضی کے مطابق کچھ نہیں کر سکتا۔ صرف اُدھر ہی جا سکے گا جدھر اُس کو راہ ملے گی۔ اِسی لیے اِس کلمہ کو رکاوٹ کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مزید معنوی توسیع کے تحت ہر دقّت و دشواری کے لیے بھی یہ کلمہ استعمال کیا جانے لگا ہے۔

اِزْدِحَام، اِسی کلمہ سے باب افتعال کا مصدر ہے۔ یہ اصل میں اِزْتِحَام تھا۔ اِس کلمہ پہلا حرف: ز، ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں تائے افتعال کو: د، سے بدل دیا گیا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے: اِدِّخَار، بھی ذَخِیْرَۃٌ سے باب افتعال ہی کا مصدر ہے اور اصل میں اِذْتِخَار تھا۔ یہاں بھی کلمہ کا پہلا حرف جو اِس کلمہ میں تائے افتعال سے پہلے واقع ہو رہا ہے وہ

[10]https://www.un.org/en/observances/non-violence-day Access 13 july 2023

:ذ، تھا۔ عربی قانون کے تحت پہلے تو تائے افتعال کو حرف:د، سے بدل دیا گیا ہے۔ پھر کلمہ کے پہلے حرف:ذ، کو بھی:د، سے بدل کر دال کو دال میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ اِزْدِحَام، عربی میں لوگوں کے بڑے ہجوم کو کہتے ہیں۔ لوگوں کا بڑا ہجوم ہو تو ہر طرح کی نقل و حرکت میں دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ ہر کوئی دوسرے کے آگے بڑھنے کے معاملے میں رکاوٹ ہوتا ہے۔ اِس لیے رکاوٹ کے عمل میں حتمیّت و تیقّن کے باعث یہ کلمہ باب افتعال سے لایا گیا ہے۔ عہدِ جاہلیّت کا عرب شاعر عبد اللہ بن سَلِمَہ الغامدی کہتا ہے:

وَ لَقَدْ أُزَاحِمُ ذاالشَّدَاةِ بِمِزْحَمٍ صَعْبِ الْبُدَاهَةِ ذِیْ شَذًاوَّ شَرِیْسِ[11]

اور یقیناً میں اذیت دینے والے کو ایسی مزاحمتی ٹکر دیا کرتا ہوں جو بہت بالکل اچانک ہونے کے باعث بہت سخت و دشوار اور اذیّت اور بد خلقی سے بھرپور ہوتی ہے۔

زحمت کا ایک معنی آڑے آنا بھی ہے۔ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

اَلزَّحْمُ: اَنْ یَزْحَمَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًامِنْ کَثْرَةِ الزِّحَامِ اِذَاازْدَحَمُوْا۔ وَ الزَّحْمَةُ: الزِّحَامُ۔ وَ زَحَمَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًایَزْحَمُوْنَهُمْ زَحْمًاوَّ زِحَامًا: ضَایَقُوْهُمْ۔[12]

اَلزَّحْمُ: یہ کہ لوگ جب کسی جگہ ایک ساتھ ہو کر اکٹھے ہو جائیں تو ہجوم کے باعث ایک دوسرے کے لیے زحمت بن جائیں۔ اور اَلزِّحَامُ: ہجوم کی شکل میں ایک دوسرے کے آڑے آنے کو کہتے ہیں۔ یہ فعل باب فتح یفتح سے آتا ہے۔ اور اِس کے مصادر: زَحْمًا، اور: زِحَامًا آتے ہیں۔ اور معنی ہوتا ہے: ایک دوسرے کے لیے تنگی کا ماحول پیدا کر دینا۔

عبد اللہ بن سَلِمَہ نے باب مفاعلہ سے فعلِ مضارع کا صیغہ واحد متکلم استعمال کیا ہے۔ باب مفاعلہ کا مصدر مزاحمت ہے۔ اور اِس کا لفظی معنی ہے کسی رکاوٹ کے آڑے آنا یا اُس کا مقابلہ کرنا۔ گویا مزاحمت کے خلاف مزاحمت کرنا۔

خلاصہ یہ ہے کہ زحمت، تنگی و تکلیف کو کہتے ہیں۔ ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں: آپ نے زحمت فرمائی۔ اور

---

[11]۔ الضبیّ، مفضّل بن محمد، ابو العباس، المفضّلیّات، تحقیق: ڈاکٹر عمر فاروق الطباع، دار ارقم، 1998ء، بیروت، ص:95، قصیدہ:19

Al-Dubai, Mufadzil bin Muhammad, Abu al-Abbas, Al-Mufadzaliyyat, Research: Dr. Umar Farooq al-Tabaa, Dar Arqam, 1998, Beirut, p. 95, Qaseida: 19

[12]۔ ابن منظور افریقی، محمد بن مکرّم، الانصاری، لسان العرب، السعودیہ، وزارۃ شئون الاسلامیہ، 2010ء، 15/154

Ibn Manzoor Afrika, Muhammad Ibn Mukarram, Al-Ansari, Lisan ul Arabs, Al-Saudia, Ministry of Islamic Affairs, 2010, 15/154

مراد یہ لیتے ہیں کہ آپ نے تکلیف اُٹھائی ہے۔ یا کسی بھی طرح کا بار اپنے اُوپر لیا ہے جو ہماری ضرورت یا خواہش ہر گز نہیں تھی۔ اِس لیے ہر وہ تنگی اور تکلیف جو کسی کے لیے کسی بھی طرح کی تنگی و تکلیف کا باعث بن جائے زحمت کہلاتی ہے۔ رحمت اِس کی عین ضد ہے۔ گویا زندگی میں آسانیاں و راحتیں، سکون و اطمینان پیدا کر دینا اور ہر طرح کی تنگی و تکلیف کو دور فرما دینا ہی رحمت ہے۔

مزاحمت کا اصطلاحی مفہوم:

مزاحمت سے مراد کسی شخص، نظام، ادارے، نظریے یا پالیسی کی پیدا کردہ مزاحمت کی چیلنج کرنا ہے۔ گویا کسی مزاحمت کے خلاف مزاحمت کرنا۔ جس میں تبدیلی لانے یا کسی کے حقوق، مفادات یا اصولوں کے تحفظ کی کوشش کرنا ہے۔ یا جن کا مقصد سمجھی جانے والی ناانصافیوں، جبر، یا ناپسندیدہ حالات کا مقابلہ کرنا یا ان کے خلاف کھڑا ہونا ہے۔ اور مزاحمت یکطرفہ عمل نہیں ہے۔

مزاحمت کے اہم عناصر درج ذیل ہیں:

مخالفت:

مزاحمت میں کسی ایسی چیز کے خلاف فعال طور پر مخالفت یا اختلاف کرنا ہے جسے غیر منصفانہ، جابرانہ یا نقصان دہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ مختلف طریقوں سے ظاہر ہو سکتا ہے، جیسے کہ احتجاج، مظاہرے، عدم تعمیل، یا سول نافرمانی کی کارروائیاں مراد ہیں۔

موبلائزیشن یا تحریک دینا:

موبلائزیشن سے مراد کسی خاص مقصد یا مقصد کی طرف اجتماعی کارروائی کرنے کے لیے افراد، گروہوں یا وسائل کو منظم، مربوط اور فعال کرنے کا عمل ہے۔ اور اس میں لوگوں کو مخصوص سرگرمیوں میں متحرک کرنا شامل ہے، چاہے وہ احتجاج، مہم، مظاہرے، یا اجتماعی کارروائی کی دوسری شکلیں ہوں۔

بااختیار بنانا:

مزاحمت افراد یا برادریوں کو اجتماعی طاقت کا احساس دلا کر بااختیار بنانا ہے۔ یہ بااختیار بنانے کے احساس کو یا وہ انفرادی ہو یا اجتماعی ترقی کو فروغ دینا ہے۔ اور اس میں حقوق کی پہچان، اپنے خدشات کا تحفظ کرنا ہے۔

جذباتی اور نفسیاتی مزاحمت:

مزاحمت میں نہ صرف بیرونی اعمال شامل ہوتے ہیں بلکہ جذباتی اور نفسیاتی لچک کے اندرونی عمل بھی کارفرما ہوتے

ہیں۔ یہ افراد سے خوف کا مقابلہ کرنے، اندرونی جبر پر قابو پانے، اور امید اور عزم کے احساس کو برقرار رکھنے کی ضرورت پیش کرتے ہیں۔ جذباتی ونفسیاتی مزاحمت کثیر جہتی نوعیت پر مشتمل ہے۔

عدم مزاحمت

عدم مزاحمت سے مراد کسی چیز کی مخالفت یا مقابلہ سے پرہیز کرنے کا عمل ہے، عام طور پر غیر فعال یا غیر محاذ آرائی کے انداز میں جب ناانصافیوں یا ناموافق حالات کا سامنا کرنا پڑے۔ یعنی مزاحمت مخالف کی کارروائیوں میں شامل نہ ہونے کا انتخاب نام ہے۔ جیسا کہ اس کی تعریف میں مریم ویبسٹر نے کی ہے:

Non-resistance is the principles or practice of passive submission to constituted authority even when unjust or oppressi. also the principle or practice of not resisting violence by force.[13]

"عدم مزاحمت سے مراد آئینی طور پر تشکیل شدہ اتھارٹی آگے متحمل سپردگی کا اصول یا عمل حتی کہ اس وقت بھی جب اس کا عمل غیر منصفانہ یا جابرانہ ہو۔"

عدم مزاحمت کے اہم پہلوؤں میں شامل ہیں:

صبر و تحمل:

عدم مزاحمت میں صبر و تحمل والی کی ذہنیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں رد عمل یا تصادم کے رویوں سے پرہیز کرنا اور دوسروں یا بیرونی حالات کے لیے زیادہ غیر فعال اور موافق موقف اختیار کرنا شامل ہے۔ اور عام طور پر انتقامی کارروائیوں سے گریز کرنا یا سمجھی گئی غلطیوں یا ناانصافیوں کے جواب میں بدلہ لینے کی بجائے صبر تحمل کا مظاہرہ کرنا یا یہ معافی، تفہیم، اور تنازعات کے پرامن حل تلاش کرنا ہے۔

عدم مزاحمت اور سماجی تبدیلی:

عدم مزاحمت سماجی تبدیلی کے لیے ایک طاقتور قوت ثابت ہو سکتی ہے جب اسے حکمت عملی کے ساتھ استعمال کیا جائے اور اسے دیگر اقسام کے ساتھ مل کر استعمال کیا جائے۔ یہ دوسروں کو متاثر کر سکتا ہے، جابرانہ نظام کو متبادل ذرائع سے چیلنج کر سکتا ہے، اور بات چیت اور تبدیلی کے مواقع پیدا کر سکتا ہے۔ جس میں دوسروں کی فلاح و بہبود کو فروغ دینے کے لیے مہربانی، ہمدردی اور خدمت کے کاموں میں فعال طور پر شامل ہونا شامل ہو سکتا ہے۔ پھر قدرتی ماحول کے باہمی ربط اور ایک دوسرے پر انحصار کو تسلیم کر کے ماحولیاتی ذمہ داری واضح ہو سکتی ہے۔ اور سماجی تبدیلی

---

[13] **https://www.merriam-webster.com/dictionary/nonresistance**. Access 16 July 2023.

جیسا کہ بعض افراد طاقت کے ذریعے دوسروں کو متاثر کرتے ہیں۔عدم مزاحمت میں امور کی گنجائش نہیں ہوتی۔

عدم مزاحمت اور عالمی امن کی بقاء:

عدم مزاحمت جب اجتماعی طور پر عمل کیا جاتا ہے، افراد، برادریوں اور قوموں کے درمیان افہام و تفہیم، ہمدردی اور تعاون کو فروغ دے کر عالمی امن میں حصہ ڈالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔اور پھر افراد کو قومیت، نسل یا ثقافت کی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے عالمی شہری کے طور پر اپنے کردار کو قبول کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔اس میں اجتماعی طور پر عالمی چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے افہام و تفہیم، ہمدردی اور تعاون کو فروغ دینا ہے۔

تحمل کا معنٰی و مفہوم:

انسانی معاشرہ ایک پھول کی طرح ہے، جس طرح پھولوں کی ترتیب میں مختلف قسم کے رنگ برنگے پھول حسن و جمال کا باعث ہوتے ہیں، اسی طرح انسانی معاشرہ بھی مختلف نظریات، مختلف مذاہب اور مختلف نسلوں کے لوگوں سے منظم ہے۔ . اور یہی تنوع اس کی خوبصورتی کی وجہ ہے۔پس صبر ، تحمل، عفو و درگزر اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ وہ صفات ہیں جو معاشرے کو امن و امان، ظلم اور جبر کا گہوارہ بناتی ہیں۔حقوق سے محرومی ختم ہوتی ہے اور جس سے ایک اچھا معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔اس کے برعکس عدم برداشت ایک ایسی بیماری ہے جو معاشرے میں بد نظمی، سرکشی، معاشرتی استحصال، انارکی اور ظلم و دشمنی جیسی برائیوں کی جڑیں پکڑتی ہے۔جس سے پورا سماج کو تاخت و تاراج کر دیتی ہیں۔

تحمل، حِلم سے ماخوذ ہے جسکا مطلب ہے۔معاف کرنا، نظر انداز کرنا اور صبر کرنا۔ خلقِ حلم سے مراد انسانی خُلق ہے کہ جو دوسرے کی کوتاہیوں اور عیبوں کی تلافی کرتا ہے اور بد تمیزی اور بد عملی کو نظر انداز کرے۔ حلم کا عقل کا صحیح ہونا اور اسکا غالب ہونا، انجام پر گہری نظر رکھنا، قوت غضب کا ٹوٹنا اور اس قوت کا عقل کے تابع ہونا بھی مراد ہے۔ نیز بعض مفکرین کا نظریہ یہ ہے کہ حلم کے مقابل جہل آتا ہے۔ جس کا تذکرہ آگے کریں گے۔

اور اسی طرح حلیم کثیر الحلم کو کہتے ہیں، وہ انسان مراد ہے جو گناہوں سے اعراض کرتا ہے اور تکالیف پر صبر کرتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ وہ انسان ہے کہ جس نے کبھی بھی کسی سے رب کائنات کی رضا کے علاوہ بدلہ نہ لیا ہو اور کسی دوسرے کا بدلہ بھی فقط اللہ کے لیے لیا ہو۔ تحمل کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ تحمل بنا ہے حِلُم سے، اس کا معنٰی ہے ناگواری اور غصّہ

کے اظہار پر قُدرت کے باوجود نَرمی سے کام لینا اور پُر سکون اور مطمئن رہنا۔[14]

اس کا ایک معنی یہ ہے: لفظ "تحمل" "حمل" سے بنا ہے، جس کا مطلب ہے "بوجھ اٹھانا"، "برداشت کرنا"، "بُردباری"۔ اور "نرم کرنے" کے ہیں۔ شرعی لحاظ سے ناخوشگوار معاملات میں صبر و تحمل سے کام لینا اور ناموافق حالات میں عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرنا "تحمل" کہلاتا ہے، دوسرے لفظوں میں تحمل انسان کی اس کیفیت کا نام ہے جو اس وقت اس کی زندگی پر منفی اثرات روک دے۔ مصائب وتکلیف کو آسانی سے برداشت کرے۔[15]

انگریزی لغات تحمل کے معنیٰ مفہوم:

برٹانیکا ڈکشنری میں تحمل کی یوں تعریف کی گئی ہے:

tolerance is willingness to accept feelings, habits, or beliefs that are different from your own.[16]

تحمل سے مراد یہ کہ: "مخالفین کے احساسات، عادات، یا عقائد کو قبول کرنے کا نام ہے۔"

امریکن سائیکالوجی ایسوسی ایشن (APA) نے ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

Acceptance of others whose actions, beliefs, physical abilities, religion, customs, race, nationality, etc. are different from one's own[17] .

"دوسروں کے اعمال، عقائد، جسمانی صلاحیتیں، مذہب، رسوم ورواج، نسل، قومیت وغیرہ جو اپنے سے مختلف ہوں، قبول کرنے کا نام تحمل ہے۔"

تحمل کے بارے میں کیمبرج ڈکشنری میں درج ذیل مفہوم بیان کیا گیا ہے:

tolerance is the ability to deal with something unpleasant or annoying, or to continue existing despite bad or difficult conditions[18]

"رواداری کسی ناخوشگوار یا پریشان کن حالات سے نمٹنے کی صلاحیت ہے، یا گھمبیر یا مشکل حالات کے باوجود پر سکون

---

[14]۔ الجرجانی: علي بن محمد بن علی الزین الشریف، کتاب التعریفات، ناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت، 1983، ص66

Al-Jarjani: Ali bin Muhammad bin Ali Al-Zain Al-Sharif, Kitab Al-Taffat, Publisher: Dar Al-Kutub Al-Elamiya Beirut-Lebanon-1983.p 66

[15]۔ قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، دار الفکر، بیروت، 1988ء، 2/109

Qazi Ayyad, Al-Shifa Batrif al-Haquq al-Mustafa, Dar al-Fikr, Beirut, 1988, 2/109

[16] https://www.britannica.com/dictionary/tolerance. Access 16 July 2023.

[17] https://dictionary.apa.org/tolerance. Access 16 July 2023.

[18] https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/tolerance. Access 16 July 2023.

رہنے کی صلاحیت کا نام ہے۔"

مذکورہ بالا تعریفات کا لب لباب یہ کہ تحمل انسان کے اندر بردباری کا نام ہے اور تحمل کی وجہ سے انسان مصائب و آلام، تکالیف و پریشانیوں کو برداشت کرتا اور ایسی حالت میں کوئی خلاف شرع کام نہیں کرتا۔ یہی کیفیت انسان کے اندر تحمل کی خوبی اور خلق پیدا کرتی ہے۔

جہل کا معنیٰ و مفہوم:

لفظ "الجاہلیّۃ"، ماخوذ از مادۂ "ج ہ ل"، اسم فاعل "الجاہل" اور لاحقۂ "یّۃ" سے مرکب ہے جو بظاہر اسم معنی یا اسم جمع پر دلالت کرتا ہے قدیم عرب معاشرے میں 'جہل' کے دو لغوی معنی لئے جاتے تھے۔ جہل کا ایک معنی ہے 'علم' کا متضاد اور دوسرا معنی حلم (بردباری) کا متضاد ہے۔

جاہلیت کی اصطلاح کا رواج

جہاں تک لفظ "جاہلیت" کے استعمال کا تعلق ہے، یہ اصطلاح صرف اسلام نے استعمال کی ہے۔ اس سے پہلے عربی سیاق و سباق میں "جاہلیت" کی اصطلاح استعمال نہیں ہوتی تھی۔ اسلامی ادب میں جاہلیت کے مختلف شرعی معنی ہیں۔ اسلامی ادب سے شغف رکھنے والے جب لفظ جاہلیت سنتے ہیں تو وہ صرف شریعت کا مفہوم سوچتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اس کے لغوی معنی کو لائے ہے۔ اس لیے کہ جاہلیت خالصتا اسلام کی اصطلاح ہے۔ اور اس کا ایک شرعی مدلول ہے۔

علم صرف کے لحاظ سے لفظ "جاہلیت" اسم صفت کے معنی رکھتا ہے، لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے اسم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کتاب و سنت میں مذکور اس اقوال کے بعد واضح ہوتا ہے کہ جاہلیت کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ خدا کی حقیقت اور خدائی صفات سے ناواقفیت کے ساتھ ساتھ انسانی رویے میں ایسا رویہ اختیار کرنا کہ رب کے نازل کردہ قوانین کو نہ ماننا۔ دوسرے لفظوں میں شریعت کے خلاف کوئی بھی رویہ جہل یا جاہلیت کہلاتا ہے۔[19]

قرآن کریم میں لفظ جہل کا استعمال:

لفظ "جاہلیۃ" قرآن کریم میں 4 مرتبہ "ظنَّ الجاہلیۃ"، (آل عمران:154) "حُکمَ الجاہلیۃ" (مائدہ:50) "تَبَرُّجَ الجاہلیۃ"، احزاب:33 اور "حَمِیۃَ الجاہلیۃ" (فتح:66) یہ الفاظ قرآن کریم میں چاروں مرتبہ ملامت کے لب و

---

[19]۔ الاصفہانی، الحسین بن محمد، المفردات الا قرآن، دار القلم، دمشق، بیروت، 1312ھ، 1/209

لہجے میں آیا ہے۔ یہ لب ولہجہ بعض ان آیات میں دہرایا گیا ہے جہاں "جہل" کے مختلف مشتقات استعمال کئے گئے ہیں؛ جیسے "تَجْہَلونَ"، جاہلونَ، اور جاہلین۔ مجموعی انداز پر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم نے جزیرہ عرب میں تاریخ عرب کے ایک مخصوص دور کو توجہ کا مرکز بنائے ہوئے اس کی اخلاقی اقدار و خصوصیات اور رویوں پر کڑی تنقید کی ہے۔ جیسا کہ ضیاءالدین کرمانی نے اپنی کتاب The Last Messenger With A Lasting Message میں لفظ جاہلیہ پر بحث کرتے ہیں:

"ان کے اس وحشیانہ طرز زندگی کو 'جاہلیہ' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں جہل سے مراد علم نہیں بلکہ تہذیب وشائستگی کا فقدان ہے۔ یعنی لفظ 'جہل' علم کی نہیں حِلم کی ضد کے طور پر استعمال ہوا ہے۔"[20]

گولڈزیہر کی نظر میں جہل مفہوم:

ہنگری کے مستشرقین گولڈزیہر نے جاہلی ثقافت اور شاعری پر تحقیق کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہاں جہالت حلم کے معنی میں ہے، اور حلم عقل کے مقابلے میں، نہ کہ علم کے مقابلے میں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جہالت اور حلم کے تقابل کی جڑیں عربی شعری ورثے میں پختہ ہیں[21] اور اسلامی روایات اور احادیث اور اسی ماخذ میں "جہالت" کو علم کے برعکس اس کے ثانوی اطلاق میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔[22] اور اس کے بعد آنے والے قرآن کے کچھ مترجمین (بشمول جاہلیت) نے جاہلیت کے بعض مشتقات پر کوئی توجہ نہیں دی (Encyl. Islam 2, s.v. 'Djahiliya')' گولڈزیہر کی تحقیق، قبل از اسلام عرب ثقافت پر ان کی تحقیق کے ساتھ ساتھ بعد کے محققین کے لیے تحقیق کا ذریعہ بن گیا۔

ولیم واٹ اور روزینتھل کی نظر میں جہل مفہوم:

منٹگمری (William Montgomery Watt) نے اپنی کتاب "Muhammad at Mecca" میں جاہلی

---

[20]۔ کرمانی، ضیاءالدین، ابدی پیغام کے آخری پیغامبر ﷺ، (مترجم: سید اختر حسین ہاشمی) پبلیشرز، محمد عتیق الرحمٰن تھانوی، کراچی، ۱۹۸۴ء ص ۳۷

Kirmani, Ziauddin, **The Last Messenger With A Lasting Message**, (Translator: Syed Akhtar Hussain Hashmi) Publishers, Mohammad Atiqur Rahman Thanvi, Karachi, 1984, p.37

[21]Goldziher **,Muslim Studies ,** ALDINE,CHICAGO,ATHERTON NEW YOR **,vol.1 p. 208 -201**

[22][**Rosenthal ،the concept of knowledge in medieval Islam, p. 32-33.**

عربوں کے فکری اور اعتقادی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ان تمام خصوصیات کو "قبائلی انسانیت پرست" کا نام دیا[23]۔ فرانز روزینتھل اپنی کتاب "The Concept of Knowledge in Medieval Islam" میں لغت کی اصطلاح میں لفظ "جہاہلیت" کی تعریف کی ہے۔ اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے اسنے قرآنی آیات اور یہودی مآخذ میں جاہلیت کا موازنہ پیش کرتے ہیں اور اور جہل کو حلم کی ضد قرار دیتے ہیں۔ [24]

کتبِ تاریخ میں 'جاہلیت' کا مفہوم:

مورخین و سیرت نگار رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کے عرب معاشرے کی تاریخ بیان کرتے وقت "جاہلیت" کا ذکر کرتے ہیں، لیکن اس کو صرف اصطلاح کی حد تک کتابوں بیان کیا گیا ہے جبکہ بعض کتب میں عربوں کے بعض رسومات کو بیان کرنے تک محدود رہتے ہیں۔

یہاں تک کہ مورخین اور سیرت نگار جاہلیت کے بیان میں قدیم عرب معاشرے میں پائے جانے والے ظاہری انحراف کو ہی بیان کرتے ہیں۔ وہ جاہلیت کے شرعی معنٰی اور مفہوم کو بیان کرنے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ رسم و رواج کو بیان کرتا ہے اور عربوں میں رائج بت پرستی کو بھی بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض رسومات جیسا کہ بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے، شراب نوشی، جوا کھیلنے اور لوٹ مار کے ذریعے دولت جمع کرنے کو جہالت قرار دیا ہے۔[25]

تحمل اور پاکستانی قوانین:

تحمل سے مراد دوسروں کے عقائد، طریقوں اور حقوق کی قبولیت اور احترام ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو معاشرے کے اندر پرامن بقائے باہمی، تنوع اور انفرادی آزادیوں کے تحفظ کو فروغ دیتا ہے۔ اور قانونی صورت میں اس بات کو یقینی بنانا کہ افراد کو آزادانہ اور بلا امتیاز اپنے مذہب پر عمل کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ کسی بھی قسم کے مذہبی ظلم و ستم یا جبر سے منع کرنا اور افراد کو کسی خاص مذہبی عقیدے کی پیروی کرنے پر مجبور ہونے سے دور رکھنا ہے۔ اور اظہار رائے کی آزادی جو افراد کو انتقامی کارروائی کے خوف کے بغیر اپنی رائے، خیالات اور عقائد

---

[23] William Montgomery Watt,Watt, Muhammad at Mecca, pp. 24-25

[24] Franz Rosenthal, the concept of knowledge in medieval Islam,Leiden Boston 2007, P. 32-2

[25]۔ آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب، (مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن) مرکزی اردو بورڈ، لاہور، س ن، 1/29

Alosi, Mahmud Shakri, Balugh Al-Arab, (Mutrjam: Dr. Pir Muhammad Hasan) Central Urdu Board, Lahore, S.N., 1/29

کااظہار کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ تاہم، نفرت انگیز تقریر، تشدد پر اکسانے، یابدنامی کوروکنے کے لیے اس آزادی پر کچھ پابندیاں ہو سکتی ہیں۔اسی قانون کے تحت مساوات کو فروغ دیتاہے اور جنس، مذہب، یا جنسی رجحان جیسی خصوصیات کی بنیاد پر امتیازی سلوک کوروکتی ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ تمام افراد کو قانون کے سامنے مساوی حقوق اور تحفظ حاصل ہے، قطع نظر ان کے اختلافات سے کہ انفرادی حقوق اور آزادیوں کی حفاظت کرتی ہے، وہیں اس کی حدود بھی متعین ہوتی ہیں جب یہ امن عامہ، قومی سلامتی اور دوسروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے آتا ہے۔ انفرادی آزادیوں اور سماجی مفادات کے درمیان توازن کو اکثر قانونی فریم ورک اور مختلف دائرہ اختیار میں عدالتی تشریح کے ذریعے حل کیاجاتاہے۔ 1973 کے آئین پاکستان میں صبر و تحمل کی عملی صورت واضح انداز میں موجود ہے یعنی ۱۹۷۳ کے آئین، آرٹیکل ۴ سے لے کر آرٹیکل ۳۶ تک انسانی حقوق کی بات کی گئی ہے۔[26]

عدم تشدد کی تحریکیں:

ماضی قریب میں عدم تشدد مختلف سماجی اور سیاسی تحریکوں کے لیے ایک مرکزی نقطہ نظر رہاہے، جیسے شہری حقوق کی تحریک، ہندوستان کی آزادی کی تحریک، اور جنوبی افریقہ میں نسل پرستی کے خلاف جدوجہد اور کہاجاتاہے کہ اس میں تبدیلی کی عملی ذرائع اور مثبت تبدیلی پیدا کرنے کی ترغیب شامل ہے۔ اوراسی طرح یہ اصطلاح ایک حربہ یاحکمت عملی نہیں ہے بلکہ سیاسی زندگی گزارنے کاایک طریقہ ہے۔ جس میں غیر متشدد رویوں، اقدار اور طرز عمل کو فروغ دیناہے۔ جس وجہ سے متعدد سماجی اور سیاسی تحریکوں کے پیچھے عدم تشدد ایک محرک اور فلسفہ رہاہے۔ ان تحریکوں کااصل مقصد جابرانہ نظاموں کو چیلنج کرنے اور تبدیلی کو متاثر کرنے میں اجتماعی کارروائی، بڑے پیمانے پر متحرک ہونے اور اسٹریٹجک عدم تشدد کی مزاحمت کی طاقت کو تسلیم کروانا تھا۔ اور اسی طرح بین الاقوامی امن سازی کی کوششوں میں اس نے ایک اہم کردار اداکرتاہے۔ یعنی تنازعات کوروکنے ان کو حل کرنے اور مفاہمت ومذاکرات افہام و تفہیم کو فروغ دینے اور باہمی احترام پر مبنی تعلقات استوار کرناہے۔ موجودہ دور میں قائداعظم، گاندھی، ماؤ زیڈونگ، سوئیکارنو، امام خمینی، آنگ سان سوچی، نیلسن منڈیلا، مارٹن لوتھر کنگ جونیئر کے نام قابل ذکر ہیں، جو عدم تشدد کے فلسفے پر عمل پیراہوتے ہوئے اپنی منزل کی طرف گامزن ہیں۔ جن میں سے چند ایک کاتذکرہ بھی کیاجائے گا. اور اس لحاظ سے، یعنی عدم تشدد کی تحریکوں نے معاشرے میں کیااثرات چھوڑے ہیں، اس کی وضاحت بعد میں کی

[26]The Constitution of The Islamic Republic of Pakistan, , National Assembly of Pakistan, pubished 2018, P#4-18, Article 36

جائے گی۔

نظریہ عدم تشدد اور اقوام عالم:

2 اکتوبر 2013 سے، اقوام متحدہ کی ایک قرارداد کے مطابق، اسے ہر سال "عدم تشدد کا عالمی دن" کے طور پر منایا جاتا ہے۔ جنوری 2004 میں، ایرانی نوبل انعام یافتہ شیریں عبادی نے تجویز پیش کی کہ عدم تشدد کا عالمی دن منایا جائے۔ ان کی تجویز کو ہندوستان میں خوب پذیرائی ملی۔ 5 جون 2007 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 2 اکتوبر کو عدم تشدد کا عالمی دن قرار دینے کے حق میں ووٹ دیا اور عدم تشدد کو فروغ دینے کے لیے ۱۴۳ ممالک نے اس دن کو منانے کا مطالبہ کی اور حمایت کی۔ اس خصوصی دن کو منانے کا مقصد مختلف ممالک کے درمیان امن اور عدم تشدد کو فروغ دینا ہے، تاکہ عالمی مسائل اور تنازعات کو باہمی بات چیت کے ذریعے حل کیا جاسکے۔[27]

عدم تشدد اور مہاتما گاندھی:

مہاتما گاندھی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے 1920 کی دہائی میں ہندوستانی تحریک آزادی میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کی تھی، جس میں انہوں نے عدم تشدد کا فلسفہ متعارف کرایا تھا۔ اس فلسفے کو سب سے پہلے سیاسی میدان میں ایک حربے کے طور پر آزمایا گیا اور بالآخر 15 اگست 1947 کو ہندوستان نے برطانوی سلطنت سے آزادی حاصل کرلی۔ ہندوستان "عدم تشدد" کے منفرد راستے سے آزادی کی اس منزل تک پہنچا۔ عدم تشدد نے نہ صرف ہندوستان کو آزادی دلائی بلکہ اس فلسفے کی پیروی کرتے ہوئے اس نے دنیا کے مختلف ممالک میں آزادی کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کیا۔ بعض لوگوں نے گاندھی کی آزادئے جدوجہد میں عدم تشدد کی حمایت اس لیے نہیں تھی کہ خالی ہاتھ لوگوں کی طاقتور مسلح حکمران کے خلاف فتح حاصل کرنے کا امکان کم تھا، جبکہ گاندھی کا ماننا تھا کہ ہتھیار حل کرنے سے زیادہ مسائل پیدا کرتے ہیں۔ نیز نفرت اور تفرقہ پیدا کیا۔ جس کی تلافی تقریبا ناممکن ہے۔

مارٹن لوتھر کنگ جونیئر کا نظریہ عدم تشدد:

لوتھر کی ایک تقریر جس کا خلاصہ ہے کہ 'میں نے ایک خواب دیکھا ہے' ان کی تقریر و تحریر کا سب سے معروف ٹکڑا ہے۔ کنگ جونیئر متعدد کتابوں کے مصنف تھے جو کہ عدم تشدد کے فلسفے پر مبنی ہیں۔ Wey we can't wait، Strenght of Love، I Have a Dream، Stride Toward Freedom: The

---

[27]https://www.un.org/en/academic-impact/international-day-non-violence-2-october ، access 13 july 2023

Montgomery Story، A Gift of Love، All Labor Has Dignity کے علاوہ کنگ جونیئر مختلف کتب عدم تشدد پر مبنی مضامین پر شائع ہوئی ہیں۔ تاہم یہ بات بھی قابل توضیح ہے کہ کنگ جونیئر نے عدم تشدد کا نظریہ گاندھی سے ہی لیا ہے۔ جس کے یہاں کچھ مشہور اقوال جو مختلف مقامات پر تقریری انداز میں بیان کئے گئے ہیں:

"وقت ہمیشہ صحیح کام کرنے کا ہوتا ہے۔'

تاریکی اندھیرے نہیں نکال سکتی صرف روشنی ہی ایسا کر سکتی ہے۔ نفرت صرف نفرت ہی نہیں کر سکتی۔

'کہیں بھی ناانصافی ہر جگہ انصاف کے لئے خطرہ ہے۔'

'آزادی کبھی بھی ظالم کے ذریعہ رضاکارانہ طور پر نہیں دی جاتی ہے اس کا مطالبہ مظلوموں کو کرنا چاہئے۔'

'انسان کا آخری اقدام یہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ سکون اور سہولت کے لمحوں میں کھڑا ہوتا ہے، لیکن جہاں وہ چیلنج اور تنازعہ کے وقت کھڑا ہوتا ہے۔'

'ہماری زندگی اس دن کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے جب ہم ان اہم باتوں سے خاموش ہو جاتے ہیں۔'

'ایمان پہلا قدم اٹھا رہا ہے یہاں تک کہ جب آپ پوری سیڑھیاں نہیں دیکھ سکتے۔'[28]

'حقیقی امن محض تناؤ کی عدم موجودگی ہی نہیں انصاف کی موجودگی ہے۔'

'آخر میں، ہم اپنے دشمنوں کی باتوں کو نہیں، بلکہ اپنے دوستوں کی خاموشی کو یاد رکھیں گے۔'

'مجھے یقین ہے کہ غیر مسلح حقیقت اور غیر مشروط محبت حقیقت میں آخری لفظ ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ دائیں، عارضی طور پر شکست خوردہ، بری فاتح سے زیادہ مضبوط ہے۔' [29]

"میں نے محبت سے قائم رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ نفرت برداشت کرنا بہت ہی بوجھ ہے۔

اگر آپ ایک درخت بن سکتے ہو تو ایک جھاڑی بنیں۔ اگر آپ ایک ہائی وے اور موڑنے والے ہو سکتے ہیں تو بس ایک پگڈنڈی بنیں۔ اگر آپ سورج ہو سکتے ہیں تو، ستارہ بنیں۔ چونکہ آپ جیت جاتے ہیں یا ناکام ہو جاتے ہیں۔ آپ جو بھی ہو سب سے بہتر بن جاو۔'

---

[28] https://www.freemaninstitute.com/Dream.htm Access 15 july 2023

[29] https://kr.usembassy.gov/martin-luther-king-jr-dream-speech-1963/ Access 15 july 2023

'زندگی اور سب سے مستقل اور فوری سوال، اور آپ دوسروں کے لئے کیا کر رہے ہیں؟'[30]

تاہم یہ سچ ہے کہ تاریخ طاقتور قوموں اور ممالک کی طرف سے کمزور قوموں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے بھری پڑی ہے۔ آج کے دور میں بھی تشدد کا بازار گرم ہے اور عہد نامہ جدید میں ایسی درجنوں مثالیں موجود ہیں، جن میں عدم تشدد کا درس دینے والے ممالک، عراق، شام، فلسطین، افغانستان، بوسنیا، برما، روہنگیا، جو پُر تشدد واقعات میں ملوث ہیں۔ یاد رہے کہ خوف اور دہشت کے ذریعے لوگوں کے جسموں کو غلام بنایا جاسکتا ہے لیکن ان کے دل و دماغ نہیں بدل سکتے۔ کیونکہ تشدد طاقت یا کسی اور مقصد کے ذریعے دوسروں پر اپنا نظریہ مسلط کرنے پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن دوسروں کی جان و مال کی حفاظت نہیں کی جاسکتی۔

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ واضح ہوا کہ عدم تشدد کا فلسفہ کیا ہے؟ اور اس فلسفے سے کیا ہو گا؟

عدم تشدد کا فلسفہ اور سیاسی حکمتِ عملی شتر مرغ کی طرح ریت میں سر دبا کر تشدد کے خود بخود غائب ہو جانے کا نام نہیں۔ یعنی عدم تشدد یہ نہیں کہ بس کسی کونے میں بیٹھ جاؤ تو تشدد نہیں رہے گی۔ عدم تشدد ایک انتہائی کٹھن اور منظم سیاسی تحریک چلانے کی حکمتِ عملی کا نام ہے۔ اور اسی طرح عدم تشدد کا مطلب تشدد کی عدم موجودگی یا غیر موجودگی ہرگز نہیں ہے۔ تشدد کسی بھی عدم تشدد پر مشتمل سیاسی فلسفے یا حکمتِ عملی کا لازمی جزو ہے۔ یعنی جب آپ اپنی تحریک عدم تشدد کے فلسفے پر چلاتے ہیں تو تشدد اُسکا لازمی جز ہو گا۔ مگر ہو گا آپ کے مخالف کی طرف سے آپ کی طرف سے اس لئے نہیں ہو گا کہ آپ کا فلسفہ ہی عدم تشدد کا ہے۔ عدم تشدد کا مطلب صرف تشدد کو سیاسی حکمتِ عملی کا حصہ نہ بنانے کا نام نہیں بلکہ بیک وقت مخالف کو تشدد پر اکسانہ ہے اور اگرچہ وہ تشدد کی راہ کو اختیار بھی کرتا ہے تو پھر آپ اُس کے تشدد کو برداشت کرنا ہو گا۔ اِس مقصد کے حصول کیلئے تحریک سے وابستہ افراد کو متحمل اور تجربہ کار بناتی ہیں اور تشدد کے برداشت کو ایندھن کے طور پر استعمال کر کے اس سے سیاسی راہوں کو ہموار کرنا ہے اور آخر میں مخالف کو اِن تمام تر عوامل کی طرف متنبہ کرنے کے بعد اس کو راہ راست پر لانا ہے۔ اور اگر اس حوالہ سے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ ﷺ کس قدر انسانوں کی بھلائی، راہ راست اور ان کی حالت زار پر غمگین و پریشان رہتے تھے اور یہی اصل مقصد ہے اور عدم تشدد بھی یہی ہے جس پر قرآن کریم نے خوب عکاسی کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[30] https://www.blackhistory.com/2018/06/popular-quotes-from-martin-luther-king-i-have-a-dream-speech.html Access 15 july 2023

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ[31]

بیشک تمہارے پاس تم میں سے وہ عظیم رسول تشریف لے آئے جن پر تمہارا تکلیف میں پڑنا بہت بھاری گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر بہت مہربان، رحمت فرمانے والے ہیں۔

اور ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جب قریش مکہ نے ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے تو صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے شکایت تو آپ ﷺ:

"قَالَ كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَايَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَادُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ وَمَايَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ هَذَاالْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لَايَخَافُ إِلَّااللَّهَ أَوْ الذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ"[32]

تم سے پہلی امتوں کے لوگوں کے لیے گڑھا کھودا جاتا اور انہیں اس میں ڈال دیا جاتا۔ پھر ان کے سر پر آرا رکھ کر ان کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے۔ لوہے کے کنگھے ان کے گوشت میں دھنسا کر ان کی ہڈیوں اور پٹھوں پر پھیرے جاتے پھر بھی وہ اپنا ایمان نہ چھوڑتے۔ اللہ کی قسم یہ امر (اسلام) بھی کمال کو پہنچے گا اور ایک زمانہ آئے گا کہ ایک سوار مقام صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا۔ لیکن کسی کو تکلیف تک نہیں ہو گی۔

اب سوال یہ ہے کہ عدم تشدد کا فلسفہ کس حد تک کامیاب رہا اور کیا واقعی بھارت جیسے کئی دیگر ممالک کی سیاست نے اپنے آپ کو اس نظریہ کے سانچے میں ڈھالا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھارتی عوام اور دیگر متشدد ممالک نے عدم تشدد کے فلسفہ کو نہ تو پوری طرح سمجھا ہے اور نہ اسے اپنا کر اپنی سیاست کو اس کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ متشدد ممالک سماج اور سیاست عدم تشدد کے نظریہ سے عملی طور پر انحراف اور انکار کے راستے پر بڑی سرعت کے ساتھ گامزن ہے۔

مختصر یہ کہ آج کے معاشروں میں پر تشدد واقعات بڑھ رہے ہیں۔ وہ درجنوں قسم کے تشدد کو ایک دوسرے سے چھپا رہے ہیں۔ ریاستی تشدد، غنڈوں یا بد معاشوں کا تشدد، کمزوروں کا طاقتور کے خلاف تشدد، ذہنی، جسمانی، نفسیاتی،

---

[31]۔التوبہ:128

Al- Toba:128

[32]۔البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دارالسلام، الریاض۔1998، حدیث3612

Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail, Al-Jama'i al-Sahih, Dar al-Salaam, Riyadh. 1998, Hadith 3612.

سماجی تشدد، اس وقت تمام معاشرہ ان کا شکار ہے، اس کا ایک ہی حل ہے اور وہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا۔ اسلام کے اصولوں کے نفاذ سے معاشرے میں امن قائم ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی ذات ہے جس نے دنیا کو عدم تشدد کے نظریہ سے متعارف کروایا۔